ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

اسلام اور ضبطِ ولادت

پاکستان کے خصوصی مسائل میں معاشی ہمواری، آبادکاری، رفعِ بے روزگاری، صحتِ عامہ، توسیعِ تعلیم وتربیت، حصولِ انصاف کی سہولت اور اخلاقی اقدار کا قیام وغیرہ ہیں۔ یہ سب انسانیت کا، لہٰذا عین اسلام کا تقاضا ہے۔ اسلام کا تقاضا محض ذرہ بھر نماز نہیں۔ روزہ نماز زیادہ تر انہی انسانی تقاضوں کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ ان کے بغیر کوئی معاشرہ صالح نہیں ہوسکتا۔ اور معاشرہ صالح نہ ہو تو اسلام کا نعرہ اور دعوے ایک ذہنی فلسفے اور خوش کن شاعری سے زیادہ کچھ نہیں۔

لیکن یہ سارے مسائل ایسے ہیں جن کے حل کرنے کی ضرورت سے کسی مسلمان کو انکار نہیں۔ کوئی انسان کبھی یہ کہنے والا نہ ملے گا کہ بے روزگاری ضرور رہنی چاہیئے۔ معاشی ہمواری کی کوئی ضرورت نہیں۔ آبادکاری بے کار ہے۔ تعلیم اور صحت کوئی ضروری چیز نہیں۔ اور عدل وانصاف اور اخلاقی اقدار غیر ضروری چیزیں ہیں۔ ان مسائل میں دو رائیں نہیں۔ لیکن اگر آپ انضباطِ عائلی یا "ضبطِ ولادت" کا لفظ زبان سے نکالیں تو یقیناً اس میں دو رائیں سامنے آجائیں گی۔ ایک طبقہ اسے بالکل خلافِ اسلام قرار دے گا اور دوسرا اس میں کوئی دینی مضائقہ نہ تصوّر کرے گا۔

یہ عجیب بات ہے کہ دوسرے تمام مسائل میں ہماری قوم یک زبان وہم آہنگ ہے۔ لیکن جس چیز پر ان سارے مسائل کا ۸۰ فی صدی حل موقوف ہے، اس میں قوم کی دو رائیں ہیں۔ یوں تو ساری دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی اکثر اقوامِ عالم کے لئے ایک انتہائی اہم مسئلہ بن گئی ہے اور اکثر ممالک اس پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ لیکن ہماری پاکستانی قوم نے ابھی اسے لائق توجہ بھی نہیں سمجھا ہے۔ یہاں کے اعداد وشمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ولادت اور موت کے تناسب میں بڑا ابل پڑ گیا ہے اور دونوں میں کوئی توازن باقی نہیں رہا ہے، جس کی وجہ سے آبادی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اگر یہی صورتِ حال جاری رہی اور اس پر کنٹرول نہ کیا گیا تو پاکستان کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے اور معاش، آبادکاری، روزگار، صحت اور تعلیم وغیرہ کے سارے مسائل ہر روز پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے جائیں گے۔

اگر ہندوستان، چین، جاپان، ٹرکی، افغانستان، مصر، عرب، مراکش، ایران، شام، عراق وغیرہ سے لاکھوں کی تعداد میں زندہ اور اچھے مسلمان بھائی یہاں پاکستان میں آکر بسنا چاہیں تو حکومت پاکستان یقیناً ان پہ پابندی لگائے گی اور "جائے تنگ است و مرداں بسیار" یا "یک انار و صد بیمار" کہہ کر انہیں آنے سے روک دے گی۔ لیکن یہی اگر لاکھوں کی تعداد میں "ملکِ عدم" سے ہر ماہ تشریف لائیں تو ان کے لئے دروازہ کھلا رکھا جائے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں۔

بلا شبہ کبھی آبادی بڑھانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت جب کہ وسائلِ حیات وسیع تر ہوں، سہل الحصول ہوں اور اس کے مقابلے میں افراد کم تر ہوں۔ لیکن اگر معاملہ برعکس ہو تو عقلی و نقلی کسی حیثیت سے بھی آبادی میں اضافہ کئے جانا کوئی دینی خدمت نہیں۔ ہر معاشرے اور ہر حکومت کا فرض ہے کہ وسائلِ حیات اور آبادی میں توازن قائم رکھے۔ اگر کوئی شخص ایک دو فرد پیدا کرے اور وہ معاشرے کے لئے اعلیٰ فرد ثابت ہوں تو یہ اس سے ہزار درجے بہتر ہے کہ بیس اولادیں پیدا کر کے اُمتِ محمدیہ میں ایسے افراد کا اضافہ کرے جن کو رہنے کے لئے مکان میسر نہ ہو۔ جن کی ضروریاتِ زندگی پوری نہ ہو سکتی ہوں۔ جن کی صحت برقرار رہنے کا کوئی انتظام نہ ہو۔ جن کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہ ہو اور جو اپنی آیندہ زندگی میں در در کی ٹھوکریں کھاتے پھریں، بھیک مانگتے پھریں، چوریاں کرتے پھریں اور اپنی ذہنی و اخلاقی گراوٹ سے سوسائٹی کو خراب کر کے ملک و قوم کو رُسوا کریں۔ یہ نہ کوئی دینی خدمت ہے، نہ قومی اور ملکی۔ نہ اخلاقی، نہ معاشی اور سیاسی۔ نہ عقلی، نہ عملی اور ذہنی۔

عہدِ نبوت میں ضبطِ ولادت کا ایک ہی طریقہ رائج تھا جسے "عزل" کہتے ہیں۔ اور اب اس کے کئی طریقے ایجاد ہو گئے ہیں۔ تفصیلات میں جانا شاید تہذیب کے مطابق نہ ہوگا۔ اس لئے ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ یہ نئے طریقے ایسے ہی ہیں جیسے کسی مرض کی دوا عہدِ رسالت میں کچھ اور تھی اور اب بہت سے نئے علاج ایجاد ہو گئے ہیں۔ اگر نئے طریقۂ علاج سے فائدہ اُٹھانا خلاف سنت نہیں، اور یقیناً نہیں، تو ضبطِ ولادت کے نئے طریقوں سے فائدہ اُٹھانے میں بھی کوئی دینی قباحت نہیں۔ اب ذرا "عزل" کے متعلق کچھ احادیث سنئے۔

بخاری شریف میں حضرت جابرؓ سے یہ روایت ہے کہ:

کنا نعزل علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم والقرآن ینزل۔

ترجمہ۔ ہم عہدِ نبوت میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔ (یعنی اگر عزل کرنا جائز نہ ہوتا تو قرآن میں اس کی ممانعت ضرور آتی)

حضرت ابو سعید خدری سے بخاری ہی میں ایک دوسری روایت یوں ہے:

كنا نعزل فسألنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال أو انكم لتفعلون؟ قالها ثلثا ما من نسمة كائنة الى يوم القيمة الا هي كائنة۔

ترجمہ۔ ہم لوگ عزل کیا کرتے تھے۔ پھر حضور سے اس بارے میں دریافت کیا تو حضورؐ نے تین بار پوچھا کہ کیا واقعی تم لوگ ایسا کرتے ہو؟ پھر فرمایا کہ قیامت تک جو روح آنے والی ہے تو وہ آ کر ہی رہے گی۔

اس حدیث میں کچھ تعجب کا اظہار ہے اور کچھ حقیقت کا اظہار یعنی آنے والی روح تو آ کر ہی رہے گی لیکن یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ "جسے مرنا ہے اس کی موت تو آ کر ہی رہے گی"۔ اس سے جس طرح یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ کوئی بیمار ہو تو علاج نہ کیا جائے۔ اسی طرح اس فرمان سے کہ "آنے والی روح تو آ کر ہی رہے گی" یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ ضبطِ ولادت ناجائز ہے۔ عدم جواز کے لئے سیدھا اور صاف طریقہ گفتگو یہی ہو سکتا تھا کہ ایسا نہ کیا کرو اور اس سے باز آ جاؤ۔ لیکن اس کی ممانعت نہ کہیں قرآن میں ہے نہ کسی حدیث میں۔ بلکہ مسلم کی روایت میں تو صاف الفاظ یہ ہیں کہ:

كنا نعزل على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فبلغه ذلك فلم ينهنا۔

ترجمہ۔ ہم لوگ عہدِ رسالت میں عزل کیا کرتے تھے۔ حضور کو یہ اطلاع ملی مگر ہم لوگوں کو اس سے منع نہ فرمایا۔

عام فقہائے صرف اتنی احتیاط رکھی ہے کہ آزاد (حرہ) زوجہ سے اذن لے کر عزل کیا جا سکتا ہے۔ مگر امام شافعی اس کے لئے کسی اذن کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔

بہرکیف یہ مسلّم ہے کہ عزل کی کوئی ممانعت نہ قرآن میں ہے نہ کسی حدیث میں۔ پس اگر عزل جائز ہے تو ضبطِ ولادت کے تمام نو ایجاد طریقے بھی جائز ہی ہونے چاہئیں۔ عزل کا مقصد یہ ہے کہ جرثومۂ حیات کو رحم میں نہ پہنچنے دیا جائے۔ خواہ اسے مار کر ہو یا ضائع کر کے یا درمیان میں کوئی چیز حائل کر کے۔

اگر ایک جرثومۂ حیات کو ضائع کرنا ناجائز ہوتا تو سرے سے وظیفۂ ازدواج ہی کو ناجائز قرار دے دیا جاتا۔ کیونکہ ہر بار کئی ارب جرثومہائے حیات ضائع ہوتے ہیں اور استقرارِ حمل کے بعد تو بلاشبہ اربوں جراثیم حیات ضائع ہی جاتے ہیں۔ پس یہ یقینی طور پر جاننے کے باوجود کہ صرف ایک ہی جرثومہ انسان بن سکتا ہے۔ اور وہ بھی قسمت سے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں سرے سے وظیفۂ زوجیت ہی کو ناجائز ہونا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات ضبطِ ولادت کا شمار واجباتِ شرعیہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً اگر یہ معلوم ہو کہ استقرارِ حمل سے عورت کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی تو اس ایک کی جان بچانے کے لئے اربوں جراثیم

حیات کا اتلاف واجبات میں سے ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ:

ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ (۴: ۲۸)

ترجمہ۔ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔ اللہ تم پر مہربان ہے۔

پس اگر ایک عورت کی جان بچانے کے لئے اربوں جراثیم حیات کو ضائع کرنا درست ہے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آنی چاہیئے کہ پورے معاشرے کو معاشی و معاشرتی تباہی سے بچانے کے لئے بھی ضبطِ ولادت نہ فقط جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہے۔ اور حکومت یا معاشرے کا فرض ہے کہ وہ ضبطِ ولادت کے لئے تمام ممکن سہولتیں بہم پہنچائے۔ جو حکومت موجودہ افراد کا انتظام نہ کر سکتی ہو وہ کم از کم اتنا تو کر سکتی ہے کہ ان مشکلات میں مزید اضافے سے لوگوں کو بچائے۔

بعض حضرات ضبطِ ولادت کی ممانعت اس آیت سے مستنبط فرماتے ہیں:

لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأً کبیرا۔ (۱۷: ۳۱)

ترجمہ۔ اپنی اولاد کو محتاجی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ان کو رزق ہم دیں گے اور تم کو بھی ہم ہی دیتے ہیں ان کو قتل کرنا شدید غلطی ہے۔

اگر واقعی جرثومۂ حیات کو ضائع کرنا قتلِ اولاد ہے تو ہر وظیفۂ زوجیت کے بعد والدین کو اپنی اربوں اولاد کے ضائع ہونے پر ماتم کرنا چاہیئے۔ اور پھر اگر جراثیم حیات کو ضائع کرنا بھی قتلِ اولاد کے جرم میں داخل ہوتا تو قرآن عزل کرنے والوں کو قاتلینِ اولاد قرار دیتا۔ اور کبھی تو حضور نے عزل کو قتلِ اولاد قرار دیا ہوتا۔ جب یہ سب کچھ نہیں تو اپنی طرف سے قتلِ جرثومہ کو قتلِ اولاد بنانے کا کسی کو کیا اختیار ہے اور پھر ان انبیاء و اولیاء کے متعلق کیا فتویٰ لگایا جائے گا جنہوں نے تجرد کی زندگی گذاری؟ کیا ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اربوں ہونے والے انسانوں کو وجود میں آنے سے روک دیا؟ حقیقت یہ ہے کہ ضبطِ ولادت قتلِ اولاد سے بالکل جدا گانہ شے ہے۔ قتلِ اولاد تو اولاد ہونے کے بعد ہوتا ہے اور ضبطِ ولادت وجودِ اولاد سے پیشتر کا احتیاطی عمل ہے۔

یہ صحیح ہے کہ آبادی زیادہ ہو جانے کے بعد قدرت امراض یا وبا یا جنگ مسلّط کر کے توازن پیدا کر لیتی ہے۔ لیکن قدرت کو یہ توازن پیدا کرنے کا موقع بہم پہنچانا کون سی نیکی ہے؟ انسانوں کو پیدا کر کے جنگ یا وبا سے ختم کرانا زیادہ بہتر ہے یا اس سے پہلے ہی جراثیم حیات کو ختم کر دینا؟

یہاں ایک ضروری نکتہ یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ ضبطِ ولادت سے مراد صرف جراثیم زندگی یعنی مادۂ تولید کی اضاعت ہے۔ استقرارِ حمل کے بعد اسے ساقط کرنا ایک مجرمانہ فعل ہے۔ اس کو اگر قتلِ اولاد نہ بھی قرار دیا جائے تو قتلِ اولاد سے اس کی سرحدیں ضرور ملتی ہیں۔ مادۂ تولید کے کسی جرثومے کے متعلق یقینی طور پر انسان بن جانے کا

دعوئے نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن قرار یافتہ حمل کے متعلق انسان بننے کا دعوئے کیا جا سکتا ہے۔ بجز اس کے کہ وہ کسی مرض کی وجہ سے بلا ارادہ ساقط ہو جائے۔ ایسے مواقع پر اسے اسقاط سے بچانا انسانی فرض ہے۔ اور وہ بھی صرف اس آسکنے والی روح ہی کی خاطر نہیں، بلکہ حاملہ کی جان کی خاطر۔ یہ حقیقت کون نہیں جانتا کہ جنین کا اسقاط وسقوط، یعنی خود بخود گرنا یا عمداً گرانا، دونوں ہی عورت کے لئے سخت مضر ہیں اور دونوں کی زندگی کا تقاضا اسے محفوظ رکھنا ہے۔ اس لئے ضبط ولادت میں اسقاط جنین کے جواز کا ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ بھی نہیں پیدا ہوتا۔

اصل قتل وہی ہے جو زندہ پیدائش کے بعد کیا جائے عربوں میں کہیں کہیں اس قسم کا رواج تھا جس کی قرآن نے واضح ممانعت فرمائی۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تین وجہ سے قتل اولاد کیا کرتے تھے۔

۱۔ معاشی تنگی۔ اس کے لئے قرآن نے فرمایا کہ "لاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق"۔

۲۔ خود ساختہ شرم وحیا۔ اس کا تعلق اولاد اناث یعنی لڑکیوں سے تھا۔ جس کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے:

"واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ مسوداً وھو کظیم یتواری من القوم من سوٓء ما بشر بہ ایمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب الاساء ما یحکمون"۔ (۱۶: ۵۸۔ ۵۹)

ترجمہ۔ ان میں کسی کو جب لڑکی پیدا ہونے کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹنے لگتا ہے۔ اس بشارت سے اسے جو رنج پہنچتا ہے اسے وہ لوگوں سے چھپاتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس ذلت کو اُٹھائے پھرے یا اسے پیوند زمین کر ڈالے۔ آگاہ رہو کہ ان کے یہ منصوبے بہت ہی بُرے ہیں۔

اور اسی چیز کا ذکر اس آیت میں بھی ہے:

واذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت۔ (۸۱: ۸۔۹)

ترجمہ۔ زندہ در گور کی ہوئی بچیوں سے یہ پوچھا جائے گا کہ انہیں کس جرم میں قتل کیا گیا تھا۔

۳۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے اولاد کو بھینٹ چڑھانا۔ یہ کسی ایک صنف کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ ذکور واناث دونوں کے ساتھ یہ ظالمانہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں اسی کا ذکر اس آیت میں ہے:

وکذالک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم الخ..... (۶: ۱۳۷)

ترجمہ۔ یونہی بہتیرے مشرکوں کی نگاہ میں ان کے معبودوں نے قتلِ اولاد کو ایک قابلِ قدر کام بنا کر رکھ دیا تھا۔

عربوں میں یہی تین طریقے قتلِ اولاد کے رائج تھے اور ان سب کا تعلق اُس اولاد سے تھا جو زندہ پیدا ہو چکی ہو۔ مادۂ تولید کو ضائع کرنے سے ایک کا بھی تعلق نہیں تھا۔ اب دیکھئے بات کا نقشہ یوں بنا کہ:

ایک طرف زندہ اولاد کو قتل کیا جاتا ہے اور دوسری طرف عزل (ضبطِ ولادت) کیا جاتا ہے۔ دونوں فعل اللہ اور رسول ؐ کے سامنے ہیں۔ مگر ایک کے متعلق اللہ اور رسول ؐ دونوں واضح اور غیر مبہم ممانعت کرتے ہیں اور دوسرے کے متعلق نہ قرآن میں کوئی حکم آیا ہے نہ حدیث میں۔ فرمائیے دونوں کے فرق کے بارے میں اب آپ کا کیا فیصلہ ہے؟ کیا اب بھی آپ ضبطِ ولادت کو قتلِ اولاد قرار دیں گے؟

ہمیں ایک حقیقت کو اور بھی واشگاف کرنے کی اجازت دیجئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ حالات میں بے سہارا اولاد پیدا کرنا قتلِ اولاد سے کم سنگین جُرم نہیں۔ ایسی اولاد پیدا کرنا جس کی دینی، جسمانی، اخلاقی، روحانی، ذہنی، علمی، عملی، معاشی اور معاشرتی تربیت کا کوئی انتظام نہ ہو دینی، اخلاقی اور عقلی لحاظ سے ناقابلِ معافی جرم ہے۔ عرب کے وحشی جس درندگی کے ساتھ اپنی اولاد کو قتل کرتے تھے اس کی تکلیف چند منٹ سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ موت ساری تکلیف کا خاتمہ کر دیتی تھی۔ لیکن جس طرح کے بے سہارا بچے ہماری نانِ شبینہ کی محتاج بھوکی اور ننگی قوم کے اکثر افراد پیدا کر رہے ہیں وہ صحیح معنوں میں زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ اس لئے کہ ایسی اولاد زندگی بھر موت کی ہچکیاں لیتی رہتی ہے اور پھر بھی نہیں مرتی۔ وہ "لا یموت فیہا ولا یحییٰ" کی روح فرسا کیفیت میں زندگی کے دن گزارتی ہے۔

معاشی تنگی کی وجہ سے عزل یا ضبطِ ولادت کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو احمد بن حنبل نے اُسامہ بن زید سے یوں روایت کی ہے:

ان رجلاً جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی اعزل من امراتی .... فقال صلی اللہ علیہ وسلم لم تفعل ذالک؟ فقال الرجل اشفق علی ولدھا، اولادھا، فقال علیہ لوکان ضاراً ضر فارس والروم۔

ترجمہ۔ ایک شخص نے حضور ؐ کے پاس آکر عرض کی کہ میں اپنی عورت سے عزل کرتا ہوں۔ حضور ؐ نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ عرض کیا کہ اس کی اولاد کا خطرہ محسوس کرتا ہوں۔ حضور ؐ نے فرمایا اگر یہ مضر ہوتا تو فارس و روم کے لئے بھی مضر ہوتا۔

امام شوکانیؒ "نیل الاوطار" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن الامور التی تحمل علی العزل الفرار من کثرۃ العیال۔

ترجمہ۔ عزل پر مجبور کرنے والی چیزوں میں ایک چیز کثرتِ اولاد سے بچنا بھی ہے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاشی تنگی میں مزید اضافہ ہونے کے اندیشے سے ضبطِ ولادت پر عمل کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ چنانچہ ایک بار حضرات علیؓ و زبیرؓ و سعیدؓ اور دیگر صحابہ

حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ عزل کا ذکر چھڑا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "لا باس بہ" اس میں کوئی حرج نہیں۔

ان حقائق کے بعد چند اور ضروری باتیں بھی ذہن نشین کر لینا چاہئیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ "نسل کشی" کی فراوانی کو روکنے کا مطلب "نسل کشی" نہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ موت و ولادت میں ایک توازن پیدا کیا جائے۔ موت و ولادت ہی میں نہیں بلکہ اسبابِ حیات اور آبادی میں بھی توازن کو برقرار رکھا جائے۔ اور صرف اسی قدر کافی نہیں بلکہ جو آبادی زندہ موجود ہے اس کو زندہ رکھنے کے لئے تمام وسائل حیات مہیا کئے جائیں۔ اور تمام سامانِ زندگی میں خاطر خواہ اضافہ کرکے معاشی تنگی کو دور کیا جائے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کا علاج تنہا جن روک یا برتھ کنٹرول نہیں۔ ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی کرنی لازمی ہے کہ سامانِ زیست کو فراواں کیا جائے۔ ضبط ولادت تو کوئی گناہ نہیں مگر زندوں کے لئے اسبابِ زیست مہیا نہ کرنا بلاشبہ گناہِ عظیم ہے۔ اور اس کی سرحدیں قتلِ انسان سے ملی ہوئی ہیں۔

ہمیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ مصر کی اخوان المسلمون کے ایک معزز رکن البہی الخولی نے "تحدید نسل" پر ایک رسالہ شائع کیا ہے جس کا نام ہے "المرأة بين البيت والمجتمع" (عورت گھر اور سوسائٹی کے درمیان) اس میں بھی ان احادیث کے حوالے موجود ہیں جو ابھی ہم نے نقل کئے ہیں اور مؤلف ممدوح نے ضبطِ ولادت کو بالکل جائز قرار دیا ہے۔ بلکہ بعض حالات میں اسے ضروری بھی بتایا ہے۔ اس کے علاوہ خالد محمد خالد نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "من هنا نبدا" (ہم یہاں سے شروع کرتے ہیں) اس میں انہوں نے بھی خولی کی تائید کی ہے۔ اس رسالے کی آٹھ اشاعتیں ہو چکی ہیں۔ اس میں انہوں نے ایک استدلال یہ بھی کیا ہے کہ حضور اکرم صلعم اکثر یہ دعا پڑھتے تھے کہ:

"اللهم انی اعوذ بك من جهد البلاء" یعنی اے اللہ میں "جہد بلا" سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ یہ "جہد بلا" کیا چیز ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ "قلة المال وكثرة العيال" یعنی معاشی تنگی اور اولاد کی زیادتی۔ بہی خولی اور خالد محمد خالد کے ان دونوں مضامین کا مجموعہ "تحدید النسل" کے نام سے ہمارے پاس آیا ہے جس کا ترجمہ عنقریب ماہنامہ "ثقافت" میں شائع ہوگا۔ ہمارے ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی ایک کتاب "الدین یسر" میں بھی آج سے تین سال پہلے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ وہ بھی مصر کے ان فتووں کے ساتھ ماہنامہ "ثقافت" میں طبع ہوگی۔

مصر سے اور پھر اخوان مسلمون کے ایک رکن کے قلم سے ضبطِ ولادت کا فتویٰ بلا وجہ نہیں۔ وہ ایسے کئی معاملات میں ہم لوگوں سے بہت آگے ہیں اور زمانے کے تقاضے انہیں سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ نسلِ انسانی کی افزائش کا مسئلہ ان کے سامنے بھی ہے اور اگر آپ غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ مصر کی

گزشتہ آویزش جنگ کا اصلی سبب بھی یہی افزائشِ نسل تھی۔ اسی نسلی افزائش نے مصریوں کو وسائلِ معاش اور آبادی کے درمیان توازن پیدا کرنے پر مجبور کیا۔ ادھر تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی اور اُدھر وسائل معاش محدود۔ وہ کرتے تو کیا کرتے؟ اس کا حل اُنہوں نے یہ نکالا کہ پیداوار بڑھانے اور دولت میں اضافہ کرنے کے لئے اُنہوں نے "اسوان بند" تعمیر کرنے کی اسکیم تیار کی۔ اس میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو یہ خلایوں پُر کیا کہ نہر سویز کو قومیا کر اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کی صورت نکالی جس کا نتیجہ جنگ و خون ریزی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ افزائش نسل کی یہ پیچیدگیاں اہلِ مصر اور اخوان المسلمون کے سامنے تھیں، اس لئے انہوں نے اس بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پانے کے لئے ضبطِ ولادت یا تحدیدِ نسل پر زور دیا۔ ہمارے ہاں کی مذہبی جماعتیں ذرا دیر میں مسائل پر غور کرتی ہیں اس لئے یہاں حقائق پر غور کرنے کی بجائے واعظانہ انداز اختیار کیا گیا کہ "جو پیدا ہوتا ہے وہ اپنی روزی لے کر آتا ہے لہٰذا اس کی فکر نہ کرو۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ مادۂ تولید بھی تمہاری ہونے والی اولاد ہے" وغیرہ وغیرہ۔

تعجب یہ ہے کہ ہمارے بعض اہلِ تقدس نے حالتِ اضطرار میں کئی طرح کی غلط کاریوں کو بڑی فراخ دلی سے جائز قرار دیا ہے۔ اور جائز ضبطِ ولادت جس کا جواز صریح احادیث سے ثابت ہے قومی اضطرار کی حالت میں بھی ان کے نزدیک جائز نہیں۔

ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ ضبطِ ولادت کا طریقہ معلوم ہونے کے بعد مرد و زن کے ناجائز تعلقات کی بڑی کثرت ہو جائے گی۔ کیونکہ ناجائز ولادت کا خوف نہیں رہے گا۔ ٹھیک ہے۔ لیکن اس کا علاج بدکاری کو روکنا ہے نہ کہ ضبطِ ولادت کی مخالفت کرنا۔ بدکاری تو اب بھی ہوتی ہے اور کرنے والے اپنا راستہ اب بھی نکال لیتے ہیں۔ اسے روکنے کی تدبیریں بھی ضرور کرنی چاہئیں۔ لیکن ذرا اس پر بھی غور کیجئے کہ ضبطِ ولادت میں تو صرف ایک خرابی ہے یعنی ناجائز تعلق کا احتمال۔ اور بدکاروں کے ضبطِ ولادت نہ کرنے میں دو خرابیاں ہیں، بدکاری بھی اور ناجائز ولادت بھی۔ اور اس کے نتائج یہ ہوتے ہیں کہ بعض عورتیں تو مارے حیاء کے خودکشی کر لیتی ہیں۔ اور بعض گھر سے باہر نکل جاتی ہیں اور بعض اسقاط کرا کے ایک جان ضائع کرتی اور اپنی جان خطرے میں ڈال دیتی ہیں۔ بعض لوگ بدنامی کے ڈر سے بچے کو کہیں پھینک آتے ہیں یا صندوق میں رکھ کر ریل کے ڈبے میں ڈال دیتے ہیں۔ اور بعض اسے مار کر قتلِ نفس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور اگر قسمت سے وہ نومولود زندہ بچ گیا تو وہ دنیا پر ایک ایسا بوجھ ہوتا ہے جو تنہا بوجھ ہی نہیں ہوتا بلکہ رسوا، بدنام، ہدفِ مطاعن، احساسِ کمتری کا شکار اور سوسائٹی کا ایک ذلیل فرد بن کر رہتا ہے۔

اگر "اھون البلیتین" کا مسئلہ بھی مسلّم ہے تو خود فیصلہ کر لیجئے کہ ان دو بدکاریوں میں کونسی بدکاری کمتر ہے؟ بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنا بھی ضروری ہے اور ضبطِ ولادت میں بدکاری بڑھنے کا خطرہ بھی ہے۔

اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ "اھون البلیتین" کیا ہے؟ خرابی تو ہر اس بات میں ہوگی جو انسان تجویز کرے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ کم خرابی کس میں ہے؟ انسانی فطرت تو یہ ہے کہ خدا کی تجویز کردہ عبادت یعنی نماز تک کو کچھ لوگ ریاکاری کا آلہ بنا لیتے ہیں اور نماز کا بوریا بوئے ریا کا مصدر بن جاتا ہے۔ ایسے ہی دکھاوے کی نماز ادا کرنے والوں کی نسبت قرآن کریم "ویل للمصلین" کہتا ہے یعنی افسوس ایسے نمازیوں پر اور ان کی نماز پر۔ انسان کی بہتری کے لئے خواہ خدا اور اس کا رسولؐ کچھ تجویز کریں یا انسانی عقل اصلاحِ حال کے لئے کوئی منصوبہ پیش کرے اس سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا احتمال ہر حالت میں پایا جاتا ہے۔ حیاتِ انسانی کے اندر ضروری اصلاحات کو محض اس خطرے کی وجہ سے نہیں روک سکتے کہ بعض لوگ ان سے ناجائز فائدہ اُٹھائیں گے۔ حکومت عوام کی بھلائی کو مدِّنظر رکھتے ہوئے بعض اشیاء کی درآمد برآمد یا خرید و فروخت پر کنٹرول لگاتی ہے لیکن یہی کنٹرول چور بازاری کے مواقع بھی پیدا کر دیتا ہے۔ کالی منڈی کے نفع اندوزوں سے گھبرا کر کوئی حکومت کنٹرول اُٹھاتی تو نہیں۔ انسانی زندگی میں ہر قسم کے کنٹرول کی یہی کیفیت ہوگی۔ خواہ وہ پرائس کنٹرول ہو اور خواہ برتھ کنٹرول۔ تمام مذاہب اور تمام تہذیب کا مدار مختلف قسم کے کنٹرول ہی پر ہے۔ شوقِ عناں گسیختہ سے نہ فرد مہذّب بن سکتا ہے اور نہ معاشرہ فلاح پذیر ہو سکتا ہے۔

افکارِ غزالی

مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی

قیمت سات روپے

مسئلہ زمین

مصنفہ پروفیسر محمود احمد

قیمت تین روپے آٹھ آنے

الدّین یسرٌ

مصنفہ مولانا سید محمد جعفر شاہ ندوی

قیمت پانچ روپے

طبّ العرب

مصنفہ حکیم سید علی احمد نیر واسطی

قیمت چھ روپے

منیجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

۲۳

مارچ

سے اپنی زندگی کا
ایک یادگار دن بنایئے

آج ہی فیصلہ کیجئے کہ زیادہ سے
زیادہ کفایت اور پس اندازی سے
کام لے کر اپنے اہل و عیال اور اپنی
نئی جمہوریت کی آیندہ بہبود کے لئے
روپیہ بچائیں گے۔ ہمیں اپنی نو عمر
جمہوریت کی تعمیر کے لئے زیادہ سے
زیادہ سرمایہ فراہم کرنا ہے۔ اسی پر
ہماری آیندہ خوشحالی کا دار و مدار ہے

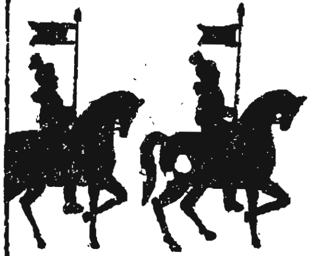

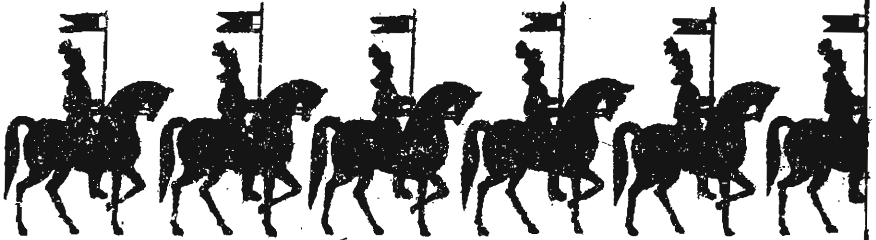

زیادہ سے زیادہ بچایئے اور سیونگ سرٹیفکیٹس خریدیئے۔
اپنی بچت پوسٹ آفس سیونگ بنک میں جمع کرایئے۔
ڈاک خانے کی بیمہ پالیسی لیجئے۔

APP. 5/57

UNITED